قبہ وقبور پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث اور نجدی افعال کی مذہبی روشنی میں تحقیق

نام نہاد علمائے مدینہ کی تحریر پر مفصل تبصرہ یعنی

اَلبَیتُ المَعمور فی عَمارۃ القبُور

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

{تعمیر قبہ کے فوائد شرعیہ}

اب میں اس مطلب پر اجمالا بحث کرنا چاہتا ہوں کہ قبہ کی تعمیر میں شرعی نقطۂ نظر سے کیا کیا فوائد ہیں اور اس کے انہدام میں کن کن منافع مقصودہ شارع کی تقویت یا اضمحلال ہے۔

(الف)　زیارت قبور جو قول وفعل رسولؐ اور اصحاب رسولؐ سے ثابت ہے۔ علماء امت کا تقریباً اجماع ہے اس مسئلہ پر کہ قبور انبیاء وعلماء وصلحاء کی زیارت مستحسن ہے اور شارع کی جانب سے مندوب ہے ظاہر ہے کہ اگر قبر پر کوئی امتیازی شان نہ ہوگی اور نشان قبر مٹ جائے گا تو اس شخص کی زیارت نہیں کی جاسکتی جو یقینا مقصود شریعت کے خلاف ہے۔ اب چند عبارتیں زیارت قبور کی مندوبیت واستحباب میں ملاحظہ ہوں:

(۱)　زکریا انصاری تحفۃ الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

باب زیارۃ القبور ای مشروعیتھا وھی مندوبۃ للرّجال لخبر مسلم کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا وامّا النسا والخناثی فمکروھۃ فی حقھم وھذا فی زیارۃ قبر غیر النبی اما زیارۃ قبرہ فتندب لھما کالرّجال ومثلہ قبور سائرالانبیاء والعلماء والصلحاء والاولیاء۔

یہ باب زیارت قبور یعنی اس کی مشروعیت کے متعلق ہے۔ زیارت مردوں کے لئے مندوب ہے صحیح مسلم کی خبر سے کہ (فرمایا رسول نے) میں نے تم کو روکا تھا زیارت قبور سے مگر اب تم زیارت قبور کیا کرو۔ اب رہیں عورتیں اور خنثیٰ ان کے لئے مکروہ ہے لیکن یہ کراہت غیر نبی کی زیارت قبر میں ہے مگر زیارت قبر نبی عورتوں اور خنثیٰ کے لئے بھی اسی طرح مندوب ہے جیسے مردوں کے لئے اور قبر نبی ہی کے حکم میں ہیں تمام انبیاء وعلماء وصلحاء واولیا کی قبریں۔

اس سے ثابت ہوا کہ زیارت قبور مندوب ہے اور عورتیں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔

(۲)　علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں تحریر کرتے ہیں:

تستحب زیارۃ قبر المسلمین للرّجال لحدیث مسلم کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانّھا تذکّر الآخرۃ وسئل مالک عن

زیارۃ القبور فقال قد کان نھی عنہ ثم اذن فیہ فلو فعل ذلک انسان ولم یقل الا خیر الم ار بذلک باسا۔

مسلمانوں کی قبروں کی زیارت مردوں کے لئے مستحب ہے صحیح مسلم کی حدیث سے میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا مگر اب تم زیارت قبور کرو کیونکہ یہ باعث یاد آخرت ہے اور امام مالک سے زیارت قبور کے متعلق سوال کیا گیا انھوں نے کہا کہ رسالت مآبؐ نے پہلے اس سے ممانعت فرمائی تھی مگر پھر اجازت دے دی تو اگر کوئی شخص ایسا کرے اور کوئی قول بد نہ کہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

پھر اس حکم کے بیان کرنے کے بعد کہ عورتوں کے لئے زیارت قبور مکروہ ہے لکھتے ہیں:

ولا یکرہ لھن زیارۃ قبر النبی ﷺ بل تندب وینبغی کما قال ابن الرفعۃ والقمولی ان تکون قبور سائر الانبیاء والاولیاء کذلک۔

عورتوں کے لئے قبر نبی کی زیارت مکروہ نہیں ہے بلکہ مندوب ہے اور جیسا کہ ابن رفعہ اور قمولی نے کہا ہے مناسب یہ ہے کہ تمام انبیاء و اولیاء کے قبور کا بھی یہی حکم ہو۔

معلوم ہوا کہ ممانعت زیارت قبور ہوئی تھی مگر منسوخ ہوگئی اب علمائے مدینہ کا تمسک لعن اللہ زائرات القبور سے جس حد تک درست ہوسکتا ہے وہ معلوم ہے۔ یحتجّون بالمنسوخ ویظنّون انہ الناسخ کے یہی مصداق ہیں۔

(۳) محب طبری ریاض نضرۃ فی فضائل العشرۃ میں لکھتے ہیں:

روی ابن النجار فی کتاب اخبار المدینۃ بسندہ عن عبدالرحمٰن بن حمید عن ابیہ قال ارسلت عائشۃ الی عبدالرحمٰن بن عوف حین نزل بہ لموت ان ھلّم الی رسول اللّٰہ ﷺ والی اخویک فقال ماکنت مضیقا علیک بیتک وانّی کنت عاھدت ابن مظعون اینا مات دفن الی جنب صاحبہ فیکون علی ھذا قبر عثمان بن مظعون وقبر عبدالرحمٰن بن عوف فی قبۃ ابراھیم بن النبی ﷺ فینبغی ان یزار ھناک۔

ابن نجار نے کتاب اخبار المدینہ میں بسند متصل عبدالرحمن بن حمید کی زبانی ان کے باپ سے نقل کیا ہے کہ جب عبدالرحمن بن عوف کا وقت موت قریب آیا تو حضرت عائشہ نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ تم بھی رسالت مآبؐ اور اپنے دونوں بھائیوں (شیخین) کے پاس آ کے دفن ہو انھوں نے کہا کہ میں تمہارے گھر میں جگہ تنگ نہیں کرنا چاہتا میں نے عثمان بن مظعون سے عہد کیا تھا کہ ہم میں سے جو بعد کو مرے وہ دوسرے کے پہلو میں دفن ہو اس بنا پر عثمان بن مظعون اور عبدالرحمن بن عوف کی قبر دونوا ابراہیم پسر رسولؐ خدا کے قبہ کے اندر ہیں لہٰذا یہیں زیارت کرنا چاہئے۔

آخری فقرات سے مشروعیت ورجحان زیارت قبۂ وقبور پر خاص روشنی پڑتی ہے۔

(ب) اکثر قبور متبرکہ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو استجابت دعا میں خاص مدخلیت ہوتی ہے اور علمائے اہلسنت کے

تصریحات اس کے مثبت ہیں۔

(۱) شیخ مومن شبلنجی نورالابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار میں ملک مصر کے مزارات متبرکہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

قال المقریزی قبر السیدة نفیسة احد المواضع المعروفة باجابة الدعاء مصر وذکر بقیة المواضع فقال وسجن نبی اللہ یوسف۔ ومسجد موسیٰ صلوات اللہ علیه وسلامه وھوالذی بطر والمخدع الذی علی یسار المصلی فی قبلة مسجد الاقدام بالفراقة قال ولم یزل المصریون ممن اذا اصابة مصیبة اولحقته فاقة او حاجة یمضون الی احدھا فیدعون اللہ تعالیٰ فیستجیب لھم۔

سیدہ نفیسہ کی قبران مقامات میں سے ہے جو قبولیت دعا کے ساتھ مصر میں مشہور ہیں اور مقریزی نے اور مقامات کا بھی تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ قید خانۂ حضرت یوسفؑ اور مسجد حضرت موسیٰ جو مقام مخدع پر ہے اور جو شخص مسجد الاقدام مقام فرقہ میں قبلہ رخ نماز پڑھے اس کے داہنی طرف پڑتی ہے یہ بھی مقریزی نے کہا ہے کہ جب اہل مصر پر کوئی مصیبت پڑتی ہے یا کوئی ضرورت ہوتی ہے تو وہ انہی مقامات میں سے ایک میں جاتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں وہ دعا قبول ہوتی ہے۔

(۲) فاضل رشید الدین دہلوی مکاتیب رشیدیہ میں لکھتے ہیں:

''فی ترجمة المشکوٰة للشیخ الاجل محقق الدہلوی قدس سرہ امام شافعی گفتہ است کہ قبر موسیٰ کاظم علیہ السلام تریاق مجرب است مراجابت دعا را چہ آن مقام متبرک مہبط برکات وانوار است پس در اسرع اوقات حصول متصور وایضا فی الترجمة المذکورة سید احمد بن زروق کہ از اعاظم فقہا وعلماء ومشائخ ویار مغرب است گفت کہ روزے شیخ ابوالعباس خضرمی ازمن پرسید کہ امداد حی قوی است یا امداد میت کامل گفتم قومے می گویند کہ امداد حی قوی است ومن می گویم امداد میت در امور روحانی قوی تر است شیخ ابوالعباس گفت نعم زیرا کہ وی در بساط حق در حضرت اوست ونقل در ایں معنی ازایں طائفہ بیشتر از انست کہ حصرواحصا کردہ شود یافتہ نمی شود درکتاب وسنت اقوال سلف صالح کہ مخالف ایں قول باشد ورد کندا ایں را بلکہ ازینہا اثبات وے می شود وکتاب انفاس العارفین تصنیف حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کہ از ذکر استمداد ہائے کہ ایشان وپیروان واساتذۂ ایشان از قبور مجامع النّور نمودہ اند پراست ملاحظہ باید کرد۔''

اس تحریر سے علاوہ اس کے کہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبور اولیاء کو خصوصیت خاصہ استجابت دعا میں ہوتی ہے یہ معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب ازالۃ الخفا کی

تحریریں اس مطلب کے ثبوت میں کافی ہیں اس کے بعد حضرات اہل حدیث کومحل انکار نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بزرگ بانی مذہب اہل حدیث کہے جاسکتے ہیں چنانچہ مولوی صدیق حسن خان قنوجی جوخود اہل حدیث کے ایک رکن ہیں اور وہابیت سے بھی حسن ظن رکھتے ہیں اپنی کتاب اتحاف النبلاء میں شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مصنف تحفۂ اثناعشریہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: ''تخم عمل بالحدیث درحقیقت پدر ایشان دریں سرزمین کاشته اندوا ایشان آنرابرگ وباربخشیده ورنه دربلادهند جزفقه حنفی هیچکس علم حدیث وتمسک بداں در علم وعمل نمی شناخت جزاه الله خیرالجزاء۔''

(۳) علامہ ابن خلکان اپنی تاریخ وفیات الاعیان میں عبداللہ بن احمد طباطبا کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

توفی فی الرابع من رجب سنته ثمان واربعین وثلث مأة بمصر وصلی علیه فی مصلی العید وحضر جنازته من الخلق مالا یحصی عددهم الّا الله تعالیٰ ودفن بفرافته مصر الصغری وقبره معروف ومشهور باجابة الدعاء روی ان رجلا حج وفاتته زیارة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فضاق صدره لذلک فرأه فی نومه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال له اذا فاتت الزیارة فزر قبر عبدالله بن احمد بن احمد بن طباطبا وکان صاحب الرّؤیا من اهل مصر وحکی بعض من له علیه احسان انّه وقف علی قبره وانشد'' خلفت الهموم علی اناس وقد کانو بعیشک فی کفاف فرأه فی نومه وقال قد سمعت ماقلت وحیل بینی وبین الجواب والمکافاة ولکن سر الی مسجدی وصل رکعتین وادع یستجب لک رحمه اللّٰه تعالیٰ۔

۴؍رجب ۳۴۸ھ میں مصر میں انتقال کیا اور عیدگاہ میں نماز جنازہ ہوئی اور اتنی تعداد لوگوں کی جنازہ پر شریک ہوئی جس کو بجز خدا کے دوسرا نہیں سمجھ سکتا اور محلہ فرافہ صغری میں دفن ہوئے اور قبر ان کی معروف اور قبولیت دعا کے ساتھ مشہور ہے۔نقل ہے کہ ایک شخص نے حج کیا اور زیارت قبر رسولؐ نہ کرسکا اس وجہ سے دل تنگ ہوا اس نے خواب میں حضرت رسولؐ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اگر تو میری زیارت نہیں کرسکا تو عبداللہ بن احمد طباطبا کی قبر کی زیارت کرلے اور اس خواب کا دیکھنے والا اہل مصر سے تھا اور یہ بھی نقل ہے کہ ایک وہ شخص جس پر عبداللہ بن احمد کے احسانات تھے ان کی قبر پر آیا اور یہ شعر پڑھا کہ آپ نے ان لوگوں کو مصیبت میں چھوڑ دیا کہ جو آپ کی زندگی سے بسر اوقات کرتے تھے اس نے عبداللہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا جو تم نے کہا مگر میں تمہیں جواب دے نہیں سکتا اچھا تم میری مسجد میں آؤ اور دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد دعا کرو تمہاری دعا قبول ہوگی۔

یہ عبارت علاوہ اس کے کہ قبور کے نزدیک قبولیت دعا کو بتلاتی ہے اسی سے سماع موتی بھی ثابت ہے جس کی نفی پر وہابی مصر ہیں اور درحقیقت صدہا شواہد سماع موتی کو ثابت کرتے ہیں لیکن چونکہ ہمارے موضوع رسالہ سے یہ مسئلہ

خارج ہے لہٰذا ان کے تذکرہ کا محل نہیں ہے۔

(۴) مولوی سید صدرالدین احمد حنفی قادری بوہاری کتاب روائح المصطفٰی من ازہار المرتضیٰ مین بذیل تذکرہ سید شمس الدین محمد بن علی الحسینی البخاری الشہیر بامیر سلطان رقمطراز ہیں:

''وفات او بشہر بروسا در سنه ثلث وثلثین وثمان مأته واقع شده ومدفون شد درانجا و قبر او درانجا مشہور ومطاف ومزار آں دیار است وبرکت می گیرند ازو ومحل اجابت دعا ونزول برکت است۔''

پھر سید احمد بن عبداللہ قریمی حنفی کے متعلق لکھتے ہیں:

''وفات حضرت سید در اوائل دولت سلطان محمد بشہر قسطنطنیه واقع شده ہمانجا مدفون گشته قبر او مزار متبرک است ومحل اجابت دعا است رحمہ اللہ تعالیٰ۔''

(۵) کتاب اعراس میں سید محمد بن علی الملقب بالفقیہ المقدم التریمی کے حال میں لکھا ہے:

''وفات او شب یکشنبه سلخ ذی الحجه سنه ششصد وپنجاه وسه بوده قبر او بمقبرۂ تریم زیارت گاه عظیم است وحوائج مرد مان را تریاق مجربست رحمہ اللہ تعالیٰ۔''

ان تمام عبارتوں سے یہ نکلا کہ بعض قبور مقربین بارگاہ احدیت کے ایسے ہوتے ہیں جن پر دعا مستجاب ہوتی ہے اور اس کے نظائر بکثرت ہیں۔

ظاہر ہے کہ جس وقت تک قبور مقربین پر کوئی امتیازی شان نہ ہو ان کی معرفت نہیں ہوسکتی تاکہ وہاں دعا کی جاسکے اس بیان سے معلوم ہوا کہ قبہ کے ہدم میں کتنے اغراض صحیحۂ شرعیہ وعقلیہ کا فقدان ہے جس کے بعد کوئی عاقل اس کو فعل حسن نہیں سمجھ سکتا۔

{استدلال کا ایک اور عنوان}

عمارت قبور کے جواز کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہر زمانہ میں اہل اسلام اس میں حصہ لیتے رہے حالانکہ ہر زمانہ میں فقہاء بھی رہے محدثین بھی رہے قضاۃ ومفتیین بھی رہے اور علماء کا رسوخ امور شرعیہ میں رہا بھی مگر کسی نے اس سے ممانعت نہیں کی اور روکا نہیں بلکہ خلفاً عن سلف اور جیلا بعد جیل بناء علی القبر میں اہتمام ہوتا رہا بھلا ایک فعل نامشروع کو کبھی تو فقہاء ومحدثین روکتے یا کبھی قضاۃ وارباب فتویٰ اس کی حرمت کا فتویٰ دیتے مگر کبھی ایسا نہیں ہوا اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ جواز کو طے کئے ہوئے تھے اور حرمت سمجھے ہوئے نہ تھے ورنہ اتنے بڑے بڑے علماء کے اوپر جنھوں نے نصرت دین اور اعلائے کلمۃ الحق سے حتی المقدور ہاتھ نہیں اٹھایا اور اکثر اس کی وجہ سے مصائب بھی برداشت کئے (جیسا کہ امام نسائی اور امام مالک وغیرہ کے تذکرہ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے) کتمان حق اور اعزاء بالجہل کا الزام آئے گا جو یقیناً حفظ مراتب کے منافی اور ان کی جلالت قدر کے خلاف ہے۔ یہ عمل مسلمین عصر بعد عصر وزمانہ بعد زمانہ یقیناً حجت ماننا پڑے گا۔ سال گذشتہ ہم نے روضۂ نبی کے

تاریخ کے عنوان سے ایک مقالہ رسالۂ مبارکہ الواعظ میں لکھا تھا چونکہ اس مقام سے خاص تعلق رکھتا ہے لہٰذا تتمیم فائدہ کے لئے ہدیۂ ناظرین ہے۔

{روضۂ نبی}

منقول از رسالۂ الواعظ لکھنؤ بابتہ دسمبر ۱۹۲۵ء

چونکہ اس زمانہ میں روضۂ جناب رسالت مآبؐ پر نجدیوں کے مظالم کے اخبار آرہے ہیں اور بعض لوگ عمارت قبر کے مسئلہ میں غلطاں ہیں اس لئے اس موقع پر میں خاص روضۂ رسالت مآبؐ کی تاریخ کے عنوان سے ایک تبصرہ ہدیۂ ناظرین کرنا چاہتا ہوں جس سے یہ ثابت ہوگا کہ کس کس زمانہ میں کس کس شخص نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔

کتب تاریخ وسیر وحدیث کے استکشاف اور ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جناب رسالت مآبؐ نے اپنی مسجد تعمیر فرمائی تو اس سے متصل دو گھر بنوائے تھے ایک ام المومنین حضرت عائشہ کے لئے اور ایک ام المومنین سودہ کے لئے یہ دونوں گھر مثل مسجد کے اینٹوں اور درخت خرما کی لکڑیوں سے تیار ہوئے تھے ام المومنین حضرت عائشہ کے گھر کا دروازہ ایک پٹ کا تھا جو عرعر یا ساکھو کا تھا اس کے بعد اور ازواج نبی کے لئے انہیں سے متصل ۷رحجرے بنے تھے۔ یہ حجرہ جو حجرۂ عائشہ کہا جاتا ہے شوال ۲رہجری میں بنا تھا یہ تمام حجرے مسقّف تھے مگر اتنی نیچی چھت تھی کہ حسن بصری سے نقل ہے کہ میں بچپنے میں جناب رسالت مآبؐ کے گھروں میں جایا کرتا تھا تو چھت کو اپنے ہاتھ سے چھو لیتا تھا۔ یہ حجرہ مسجد سے بالکل متصل تھا اور اتنا متصل کہ خود حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب حضرت مسجد میں معتکف ہوتے تھے تو میں اپنے حجرہ سے ان کے بالوں میں شانہ کردیا کرتی تھی (وفاء الوفا علامۂ سمہودی) جناب رسالت مآبؐ اپنے زمانۂ حیات میں روزانہ ایک زوجہ کے یہاں شب بسر کرتے تھے اور جب وفات ہوئی ہے اس شب کو جناب رسالت مآبؐ حجرۂ حضرت عائشہ میں تھے اور وہیں انتقال کیا (دیکھو صحیح بخاری) انتقال کے بعد لوگوں میں اختلاف شروع ہوا کہ رسول کہاں دفن ہوں لیکن بعض صحابہ نے کہا کہ ہم نے رسالت مآبؐ سے سنا ہے کہ نبی وہیں دفن ہوتا ہے جہاں اس کی روح قبض ہوتی ہے اس کلیہ پر نظر کرتے ہوئے جناب رسالت مآبؐ کو حجرۂ حضرت عائشہ میں دفن کیا گیا (ملاحظہ ہو انسان العیون) اس کے بعد جب حضرت ابوبکر کا وقت وفات قریب پہنچا تو انھوں نے حضرت عائشہ سے وصیت کی کہ مجھ کو جناب رسالت مآبؐ کے پہلو میں دفن کرنا لہٰذا جب ان کے وفات ہوگئی تو ان کی قبر رسالت مآبؐ کی قبر سے متصل بنی اس طرح کہ ان کا سر جناب رسالت مآبؐ کے شانۂ اقدس کے پاس تھا (تاریخ الخلفاء) ابھی تک حجرۂ حضرت عائشہ میں سوائے لکڑیوں کے اور کسی چیز کی دیواری نہ تھی سب سے پہلے حضرت عمر بن خطاب نے اس کی بیرونی دیواریں تعمیر کرائیں (دیکھو وفاء الوفاء لاخبار دار المصطفیٰ) اس کے بعد جب حضرت عمر کا وقت انتقال قریب پہنچا تو حضرت عائشہ کے پاس کہلا بھیجا کہ مجھ کو اجازت ہے کہ میں جناب رسالت مآبؐ اور خلیفہ اول کے پاس دفن ہوں حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ یہ

جگہ میں نے اپنی قبر کے لئے اٹھا رکھی تھی مگر عمر کو میں اپنے نفس پر ترجیح دے کے اجازت دیتی ہوں اسی اجازت کی بنا پر حضرت عمر کی قبر بھی ان قبروں کے پاس بنی۔ (تاریخ الخلفاء)

اگر چہ حضرت عمر خطاب نے اپنے زمانہ میں حجرہ کی دیوار بنا دی تھی مگر ابھی تک مخصوص قبروں کی حفاظت کے لئے حجرہ کے اندر کوئی دیوار نہ تھی جب حضرت عمر خطاب دفن ہوئے تو حضرت عائشہ کو اس کی ضرورت ہوئی چنانچہ ابن زبالہ نے خود حضرت عائشہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ جب تک جناب رسالت مآبؐ اور خلیفہ اول میرے حجرہ میں دفن تھے میں بغیر مقنع ڈالے اور چادر اوڑھے اپنے حجرہ میں رہتی تھی مگر جب سے خلیفہ ثانی دفن ہوئے میں کپڑوں میں نہاں رہنے لگی یہاں تک کہ میں نے اپنے اور قبروں کے درمیان میں دیوار بنوادی اور بعض مورخین نے یہ ضرورت تعمیر جدار کی بتلائی ہے کہ لوگ قبر کی مٹی لے جایا کرتے تھے لہٰذا حضرت عائشہ نے دیوار بننے کا حکم دیا اور دیوار تیار ہوگئی لیکن اس میں ایک موکھا باقی تھا اس میں سے لوگ مٹی لے جایا کرتے تھے حضرت عائشہ نے وہ موکھا بھی بند کر دیا۔

اس کے بعد سے عبداللہ بن زبیر کے عہد تک اس حجرہ میں کسی تغیر کا پتہ تاریخوں سے نہیں ملتا مگر بیان سابق سے صاف صاف واضح ہے کہ رسول کی آنکھوں کے دیکھنے والے اور رسول کی زبان وحی ترجمان کے الفاظ اپنے کانوں سے سے سننے والے صحابہ کی موجودگی میں جب کہ کسی خلاف شریعت امر کے وقوع کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا سب سے پہلے خود حضرت عمر بن الخطاب نے قبر رسول پر بنا قائم کی اور جس حجرہ میں قبر رسول تھی اس کی دیواریں تعمیر اکرادیں اور پھر خود حضرت عائشہ نے اپنے اور قبر رسول کے درمیان میں دیوار بنوا کر قبر رسول کے چاروں طرف دیواروں کی بنا قائم کر دی اور چھت اس کی بجائے قبہ کے بدستور قائم رکھی جس سے واضح ہے کہ بناء علی القبور کی نہی تنزیہی بھی قبور انبیاء وائمہ سے متعلق نہیں ہے ورنہ خلفائے راشدین کا عہد کبھی اس کو جائز و مستحسن نہ قرار دیتا۔

مختصر جب عبداللہ بن زبیر کا عہد آیا تو حجرہ کی وہ بیرونی دیواریں جو حضرت عمر بن خطاب نے تعمیر کرائی تھیں چھوٹی تھیں عبداللہ بن زبیر نے ان کو اونچا کرا دیا۔ (وفاء الوفاء)

پھر جب ولید بن عبدالملک کو اپنے زمانہ میں توسیع مسجد رسول کا خیال ہوا تو اس حجرہ کی دیواریں منہدم ہوئیں اور عمر بن عبدالعزیز کے اہتمام سے پھر تعمیر شروع ہوئی اسی اثناء میں ایک قدم ظاہر ہوا جس کے متعلق اشتباہ تھا کہ کس کا پاؤں ہے عروہ نے کہا کہ یہ رسالت مآبؐ کا پاؤں نہیں ہے عمر بن خطاب کا پاؤں ہے۔ (دیکھو صحیح بخاری)

بہر حال ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں عمر بن عبدالعزیز نے ان قبور کے حظیروں کو تعمیر کرایا اور مسجد کی سقف کے نیچے خاص اس حجرہ کی ایک بہت مستحکم چھت تیار کرا دی اب ایک عرصہ تک تاریخیں اس حجرہ میں پھر کسی تغیر کے بتانے سے خاموش ہیں مگر یہ تغیرات بھی جو خلفائے بنی امیہ کے ازمنہ میں ہوئے ہیں ان کے متعلق بھی کسی منکر کا کوئی انکار منقول نہیں ہے حالانکہ ان عہدوں میں بھی اکثر صحابی و تابعی موجود تھے۔ پھر جب خلافت بنی امیہ کا خاتمہ ہوکر

خلاف بنی عباس کا زمانہ آیا تو ہارون رشید کی خلافت میں اس کے ایک گورنر ابوالبختر ی ہی کے زمانۂ ولایت مدینہ میں کچھ دھنّیاں مسقّف مسجد کی جو قبر رسول کے اوپر تھیں شکستہ ہوگئی تھیں ابوالخیری نے تمام مسجد کی چھت کھلوا کے جتنی لکڑیاں ناقص تھیں نکلوا ڈالیں کہا جاتا ہے کہ ستر لکڑیاں شکستہ ملیں ان کے عوض میں نئی دھنّیاں داخل کر کے نئے سرے سے تمام مسجد کی اور اس حجرۂ مقدسہ کی چھت ۱۹۳ھ میں تعمیر کی گئی۔

بعد اس کے بنا بر قول ابن نجار متوکل نے اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے عامل حرمین اسحاق بن سلمہ کو حکم دیا کہ حجرۂ نبی کا سفید پتھر سے استحکام کر دیا جائے چنانچہ اس کے حکم سے تقریباً ۲۴۰ھ میں اس حجرہ کی نیو کو سفید پتھروں سے جن کا نام رخام ہے مضبوط کر دیا گیا۔

پھر مقتفی باللہ کے زمانۂ خلافت میں ۵۴۸ھ میں جمال الدین وزیر بنی زنگی نے اس پتھر کی تجدید کی اور نیو کے اوپر بھی ایک قدآدم تک سفید پتھر لگوا دیئے۔

اسی کے چند سال بعد جیسا کہ بعض مورخین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے زمانۂ خلافت مستضئ باللہ بن مستنجد باللہ میں ایک دھماکے کی آواز اس حجرہ کے اندر سے آئی اس کی اطلاع خلیفۂ وقت کو دی گئی خلیفہ نے تمام فقہاء سے مشورہ لیا سب نے یہ فتویٰ دیا کہ ایک شخص فاضل مسجد کے خدام میں سے اس حجرہ کے اندر داخل ہو اور اطلاع حاصل کرے کہ کیا واقعہ ہے اس مہم کے لئے تمام مسلمانوں نے ایک شخص کو جس کا نام بدر تھا منتخب کیا وہ ایک ضعیف العمر فاضل شخص تھا جو قائم اللیل اور صائم النہار تھا اور بنی عباس میں سے تھا وہ حجرۂ شریفہ کے اندر داخل ہوا اور اس نے دیکھا کہ اندرونی دیوار حجرہ کے مغربی جانب کی گر گئی ہے کچھ اینٹیں مسجد ہی کی مٹی سے تیار کر کے مہیا کی گئیں اور وہ دیوار پھر بنا دی گئی اور جس طرح تھی اسی طرح تعمیر ہوگئی یہ واقعہ بنا بر بعض اقوال تقریباً ۵۷۰ھ کا ہوگا۔

پھر ۶۵۴ھ میں یہ عظیم واقعہ گذرا کہ شب جمعہ یکم رمضان کو مسجد نبوی میں آگ لگ گئی اور ہر چند اہل مدینہ نے اس کے بجھانے میں سخت کوشش کی مگر وہ نہ بجھی یہاں تک کہ کوئی لکڑی سقف مسجد کی ایسی نہ رہی جو سالم ہو اور جتنا سامان مسجد کا تھا مثلاً منبر اور دروازہ اور خزانہ اور کٹھرے اور صندوق اور کتابیں اور پردے سب جل گئے اور آتش زدگی کی شدت میں وہ چھت جو حجرۂ نبی میں سب سے اوپر تھی اس چھت پر گر پڑی جو خاص قبروں پر تعمیر ہوئی تھی اور اس کے بار سے یہ چھت بھی دونوں چھتیں قبور کے اوپر حجرہ میں گر پڑیں اس عظیم واقعہ کی اطلاع خلیفۂ وقت مستعصم باللہ ابی احمد عبداللہ بن مستنصر باللہ کو دی گئی اور وہاں سے سامان تعمیر اور کاریگر وغیر سب بھیج دیئے گئے اور پھر تعمیر مسجد وروضۂ رسول اوائل ۶۵۵ھ میں شروع ہوئی اور پھر ایک چھت کی تعمیر اس حجرۂ مقدسہ پر بہت استحکام کے ساتھ کر دی گئی۔

ابھی تک اس حجرۂ مقدسہ کے اوپر کوئی قبہ نہ تھا بلکہ سطح مسجد پر اس حجرہ کی مقدار بھر اس کے گرد ایک حظیرہ نصف قدآدم اونچا اینٹوں کا بنا ہوا تھا تا کہ حجرہ کا امتیاز باقی سقف مسجد سے معلوم ہو لیکن زمانۂ بادشاہ منصور قلادون صالحی میں قبۂ خضرا کی تعمیر ہوئی۔ ۶۷۸ھ میں یہ قبہ تیار ہوا

جو نیچے سے چہار گوشہ اور اوپر سے ہشت گوشہ تھا اس کے اوپر ایک موکھا تھا جس میں سے کوئی نظر کرے تو حجرہ کی داخلی چھت نظر آ سکتی تھی لیکن اکثر مؤرخین کے کلام سے تصریحاً اس قبہ کے تعمیر کرانے والے کا نام نہیں ملتا ہاں بعض کتب سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قبہ کو ضریح نبوی پر کمال احمد بن برہان عبدالقوی ربعی ناظر قوص نے تعمیر کرایا تھا اور مقصود اس سے تحصیل ثواب تھا۔

اس کے بعد پھر اس قبہ کی تجدید ملک ناصر حسن بن محمد بن قلادون نے زمانۂ سلطنت ملک اشرف شعبان بن حسین محمد میں ۷۶۵ھ میں کرائی۔

اس کے بعد پھر اس حجرہ میں ۸۳۱ھ میں کچھ نقصان پیدا ہوا تھا جس کا ملک اشرف برسبائی نے اسی سال کے ماہ ذی القعدہ میں استحکام کرایا یہ عمارت غالباً کچھ زیادہ مضبوط نہیں بنی تھی لہٰذا چند ہی سال کے بعد ۸۵۳ھ میں پھر زمانۂ دولت طاہر حقمق میں اس کی مرمت کی ضرورت ہوئی اس کے بعد ۸۸۱ھ میں خواجہ شمسی امیر جدہ کے ساتھ مدینہ میں وارد ہوئے اور تعمیر کی خدمت کو اپنے متعلق کیا حجرۂ شریفہ کی بیرونی چھت کو تھوڑا سا بلند کر دیا گیا اور قبۂ خضراء کی بعض لکڑیوں میں بھی کچھ نقصان پیدا ہو گیا تھا جس کو شمس بن زمن نے درست کرا دیا۔

۸۸۶ھ میں پھر مسجد نبی میں ۱۳؍رمضان کو آگ لگی اس آتش زدگی سے تمام مسجد کو ضرر پہنچا اور قبۂ خضراء جو سب سے بلند تھا وہ بھی اس کے اثر سے محفوظ نہ رہا اور منہدم ہو گیا لیکن خاص اس حجرہ میں کوئی اثر نہیں ہوا جو قبور پر محیط تھا امیر شمس الدین بن زمن کے اہتمام سے پھر اس عمارت کی تجدید ہوگئی اور قبہ تیار کر دیا گیا۔

اس کے بعد ۸۹۲ھ میں یہ قبۂ مطہرہ اوپر سے شق ہو گیا اور ماہران فن معماری کی رائے اس امر پر قائم ہوئی کہ یہ ظاہری ترمیم سے درست نہیں ہو سکتا لہٰذا سلطان شجاعی شاہین جمالی کے حکم سے اس قبہ کی نئے سرے سے تعمیر کی گئی اور سابقہ عمارت سے زیادہ استحکام کو صرف کیا گیا اور عظیم قبہ تیار ہو گیا۔

اس نویں صدی ہجری کے بعد جو تغیرات اس روضۂ رسول میں ہوئے ہیں ان کو بتانے کے لئے کوئی تاریخ اس وقت میرے پیش نظر نہیں ہے۔

{نتیجۂ کلام}

اس تبصرہ سے ہمیں اس امر کا ظاہر کرنا تھا کہ ہر عہد میں مسلمانوں کو اس عمارت کی بقا میں کتنا اہتمام رہا اور ہر زمانہ میں بادشاہان اسلام نے اس کے استحکام میں کیا کیا کوششیں کی ہیں اور کبھی کسی نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ اس کو برا سمجھا جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر عہد میں مسلمان اس عمارت کی بقاء کو اچھا سمجھتے تھے اور مسلمانوں کا مسلّمہ ہے کہ **ما رأہ المسلمون حسنا فھو حسن۔** جس کو مسلمان حسن سمجھیں وہ حسن ہے لہٰذا اب کسی کو گنجائش انکار عمارت قبور کے جواز میں نہیں ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان نجدیوں کے اعمال ہر زمانہ کے مسلمانوں کے طریقہ عمل سے خلاف ہیں۔

(جاری)